عہدِ صحابہؓ میں تعلیمی سرگرمیاں اور انکی خصوصیات

جناب محمود عارف صاحب
پنجاب یونیورسٹی لاہور

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کا دور، اسلام کی تاریخ میں ہر لحاظ اور ہر جہت سے سُنہری دور تھا۔ اس مُبارک اور مسعود دَور میں مادی اور ظاہری سلطنتیں بھی زیر کی گئیں اور باطنی اور قلبی اقالیم بھی فتح ہوئیں۔ اس انقلاب کو جس کی ابتدا سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھوں سے ہوئی تھی۔ عُمر فاروق ہی کے دورِ خلافت میں بامِ عروج تک پہنچنا نصیب ہو سکا اور وعدۂ خداوندی کے مطابق دینِ اسلام کا مخالف ادیان پر مکمل غلبہ اور استیلاء بھی اسی دَور میں ممکن ہُوا۔

حضرت عمر فاروقؓ کے مبارک اور مسعود دور کے بعد ملکی اور ملی سطح پر، گو اتنی ہمہ گیر کوششیں بسلسلۂ اشاعت و ترویج تعلیمات اسلامیہ نہ ہو سکیں جس کی وجہ سلطنت اسلامیہ کے درون خانہ پیدا ہونے والے ان خلفشاروں اور فتنوں کو قرار دیا جاسکتا ہے جس کی ابتدا حضرت عثمان غنیؓ کے دورِ خلافت میں ہوئی۔ اور جس نے بہت جلد عالم اسلام کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ صحابہ کرامؓ کی زیادہ تر کوششیں ان فتنوں کو دبانے کے لیے صرف ہونے لگیں۔ باہر کی طرف اُٹھنے والے قدم رُک گئے۔ غیروں پر چلنے والی تلواریں اپنوں کے خون میں نہا گئیں۔ مسلمان مسلمان کے خلاف برسرِ جنگ تھا۔ عجب افراتفری اور شور و شغب کا دَور تھا مگر رزم و بزم کے اس دَور میں بھی تعلیم و تعلّم اسلامیہ کی محفلیں ماند نہ ہُوئیں۔ اور قال اللہ اور قال الرسول کی صدائیں ہر کوچہ اور ہر شہر میں گونجتی اور دلوں کو گرماتی رہیں۔

تعلیمات اسلامیہ کی نمایاں ترین خصوصیت جو تاریخ کے طالب علم کو دکھائی دیتی ہے یہ ہے کہ اس کا شجر طیبہ حکمرانوں کے عدم تعاون کے باوجود پھلتا، پھیلتا اور پھُولتا رہتا ہے۔ اس کی آب و تاب میں کمی ہوتی ہے اور نہ اس کی محفلوں کی چمک ماند پڑتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گو مسلمان کتنے پُر آشوب

ادوار سے گزرے مگر تعلیماتِ اسلامیہ کی آب وتاب برقرار رہی۔ اپنوں کی حکومت تھی اس وقت بھی اور جب غیروں کی بالادستی قائم ہوئی تب بھی۔ بنو اُمیّہ ہوں، بنو عباس ہوں یا مغول و اتراک کسی دور میں بھی مجالسِ علمی نہ ختم ہو سکیں اور نہ کی جا سکیں اور ایسا کیوں نہ ہو وعدۂ خداوندی ہی یہ ہے کہ ان تعلیمات کو قیامت کے آنے تک محفوظ اور تمام فتنوں سے مصئون رکھا جائے گا۔[1]

صحابہ کرامؓ کے دور میں ایک عرصہ تک تعلیمی اور سیاسی لائنیں ہم رنگ و ہم آہنگ رہیں۔ حکومت کے ایوانوں میں جہاں جہانگیری اور جہانداری کے مشورے ہوتے تھے وہیں فرامین و ارشادات باری و تعلیمات نبوی کے چرچے بھی سُنائی دیتے تھے۔ بلکہ خلفائے راشدین کے دور تک تو جو زبان عزل ونصب کے احکامات صادر کرتی تھی۔ وہی دُوسرے وقت میں مبلّغ اور معلّم کے فرائض ادا کرتی دکھائی دیتی تھی۔ دین اور دُنیا کی راہیں ایک ہی تھیں۔ نہ دین دُنیا سے الگ تھا، نہ دُنیا دین سے بیزار تھی۔ دونوں ایک دُوسرے کے ہم نوالہ و ہم پیالہ تھے۔

خلفائے راشدین کے دَور تک ولات اور عمّال کا تقرر تعلیمی اور علمی حیثیت کے مطابق کیا جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عمّال کی فہرست میں ہمیں مغیرۃؓ بن شعبۃ، ابوموسےٰ اشعریؓ عبادۃ بن الصامتؓ، عبداللہ بن مسعودؓ جیسے اکابر وجلیل القدر حضرات صحابہ بھی دکھائی دیتے ہیں جو سیاسی سوجھ بوجھ کے ساتھ ساتھ دُنیا کے رہبر ورہنما بھی تھے۔[2]

پھر ایک غیر محسوس طریقے سے جس کی واضح نشاندہی بنوامیہ خاص طور سے بنو مروان کے دور میں جاکر ہوتی ہے۔ یہ دونوں لائنیں جُدا جُدا ہونے لگیں۔ اس سلسلہ میں پہلا کام جو ہوا وہ یہ تھا کہ حکمرانوں نے تعلیم وتعلّم سے چشم پوشی یا اعراض شروع کر دیا جس سے سیاسی شخصیتیں، علمی شخصیتوں سے متمیز ہو گئیں۔ رفتہ رفتہ رجال علم مکمل طور سے حکومت کی دستبرد سے آزاد ہو گئے اور تعلیمات اسلامیہ کا فروغ پرائیویٹ (PRIVATE) اور نجی کوششوں سے تکمیل اور نشو ونما پانے لگا۔ شروع شروع میں یہ حیثیت اتنی واضح نہ تھی جتنی کہ بعد کے ادوار میں جاکر ہوئی۔ لیکن مورّخ کی مجبوری یہ ہے کہ وہ انگلی رکھ کر یہ نہیں بتا سکتا کہ یہی ہے وہ مقام جہاں سے تفریق کا علم شروع ہُوا۔ حقیقتیں اس قدر پیچ در پیچ اور اُلجھی ہوئی ہیں کہ اس موضوع پر جس نے بھی قلم اُٹھایا وہ اُلجھ کر رہ گیا۔ اگرچہ بعض بزعم خویش صاحب بصیرت

---

[1] ۱۵ (الحجر) آیت ۹

[2] شبلی نعمانی: الفاروق، جستہ جستہ مقامات

لوگوں نے اُس کی نشاندہی کرنا چاہی ہے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ وہ اس میں سراسر ناکام رہے ہیں۔ ان کی نشاندہی یقیناً غلط مواقع کی ہے۔ ان کی انگلی بلا شبہ صحیح اور مناسب مقام پر نہیں پہنچ سکی[۱] یہ ایک ایسا پیچیدار مسئلہ ہے جسے بلاشبہ تاریخ اسلام کا بیک وقت نازک ترین اور مشکل ترین مسئلہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ بہرحال ایک غیر محسوس طریقے سے اس سلسلہ میں تبدیلی شروع ہوئی جسے غیروں کی اٹھائی ہوئی تحریکوں نے مزید شہ دی۔ اس طرح کہ عالم اسلام کو اُن میں الجھا کے رکھ دیا۔

فاروقی کارناموں کے اثرات

اس دور میں جبکہ فضا باہمی جنگوں اور آویزشوں سے بوجھل اور ثقیل ہو رہی تھی۔ قاری حضرت عمر فاروقؓ کے کارناموں کے اثرات و نتائج سے بے بہرہ نہیں رہ سکتا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے صحابہ کرامؓ کو ایک خاص تنظیم اور ترتیب کے ساتھ مختلف بلاد اسلامیہ میں پھیلا دیا تھا تاکہ الٰہیاتی تعلیمات پوری دُنیائے اسلام کو منوّر کرسکیں۔

مثلاً عبداللہ بن مسعودؓ، حذیفہ بن یمان کو کوفہ میں، معقلؓ بن یسار، عبیداللہؓ بن معقل، عمرانؓ بن حصین، ابوموسیٰؓ اشعری کو بصرہ میں، عبادہؓ بن الصامت کو، ابوالدرداءؓ، معاذؓ بن جبلؓ کو شام کے مختلف شہروں میں، حبانؓ بن جبلہ عمروؓ بن العاص کو مصر میں تعینات کیا تھا[۲]۔ صحابہ کرامؓ کی اس تعیناتی اور تقرری نے مستقبل میں جو اہم کارنامہ سرانجام دیا اور جس کی بنا پر یہی علاقے مستقبل میں علم و عمل کے ایسے وقیع مراکز ثابت ہوئے کہ جہاں سے بڑے بڑے محدث مفسر اور فقیہ پیدا ہوئے۔ اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بلاشبہ تحسین و ستائش کے مستحق ہیں۔

بعد کے ادوار میں جب فضا ساز گار نہ رہی تب بھی علم و عمل کے یہ مراکز معروف کار رہے اور انہوں نے اپنی نجی اور انفرادی کوششوں سے دُنیا کو منوّر کرنے میں کوئی کسر باقی نہ اُٹھا رکھی۔

صحابہ کرامؓ نے کس طرح نجی اور انفرادی طریقہ کار سے تعلیمی اور دینی زندگی میں انقلاب پیدا کیا؟ ہماری گفتگو اسی سوال تک محدود ہوگی۔ مگر ابتدا ہی میں اپنی بے بسی اور معذوری کا اظہار کر دینا بھی مناسب ہوگا وہ اس لیے کہ صحابہ کرامؓ کی ان تمام کوششوں کا احصار کرنا کم از کم میرے جیسے ناقص العقل والعلم والے شخص کے لیے تو ویسے ہی ممکن نہیں۔ ویسے بھی اگر کوئی ایسا کرنے کا ارادہ بھی کرے تو اسے کتابیات اور ماخذوں میں جو حوالہ جات ملتے ہیں وہ ان کی کوششوں کی گہرائی اور وسعت کے ادراک سے قاصر رہتے ہیں ۔

---

[۱] مثلاً مودودی صاحب کی "خلافت و ملوکیت"

[۲] شبلی نعمانی، الفاروق، جستہ جستہ مقامات ؛

صحابہ کرامؓ نے جو کچھ کیا وہ خالصتاً رضائے خداوندی کے لیے کیا ۔ اس لیے نہ انہیں نام و نمود کی خواہش تھی اور نہ ہی انہوں نے ایسے کوئی آثار ہی چھوڑے ہیں ۔ تاہم آج ہمارے سامنے جو دین اسلام کا ایک ایک نکتہ، ایک ایک حرف اور زبر زیر تک محفوظ چلے آتے ہیں یہ سب کچھ انہی کی مخلصانہ اور دیانت دارانہ کوششوں کا نتیجہ ہی تو ہے ۔ وہ صحابہ ہی تھے جنہوں نے اسلام کی کامل اور مکمل تعلیم دُنیا کے سامنے پیش کی ۔ یہ صحابہؓ ہی تھے جنہوں نے حامل وحیؐ اور مہبط وحیؐ کی اس طرح سچی اور بھرپور تصویر ہمارے سامنے کھینچ کے رکھ دی کہ آج کے اس دور میں وسائل اور اسباب کی فراوانی کے باوجود بھی ایسا ممکن نہ تھا ۔ ان کی کوششوں کو کہاں کہاں تک بیان کیا جائے ۔ آج جو کچھ بھی ہمیں میسّر اور حاصل ہے اس سب میں صحابہ کرام کی کوششیں کارفرما دکھائی دیتی ہیں ۔

کاغذ اور قلم دوات کی قلت بلکہ فقدان کے باوجود بھی محض اپنے حافظے کے بل پر انہوں نے جو عظیم کارنامہ سرانجام دیا وہ اتنا حیرت انگیز ہے کہ آج کی متمدن دُنیا بھی ان کے اس کارنامہ کی عظمت و تقدیس پر تحسین و ستائش کے پھول نچھاور کئے بغیر نہیں رہ سکتی ۔ واقعہ یہ ہے کہ ہر صحابی بموجب ارشاد نبوی "فلیبلّغ الشاھد الغائب" (ہر حاضر، غائب تک میرا پیغام پہنچا دے) تعلیمات اسلامیہ کی توسیع و اشاعت کا جذبہ اپنے دلوں میں موجزن رکھتا تھا اور یہ جذبہ بڑھ کر ان کی زندگی ہی کا ایک حصّہ بن گیا تھا ۔ ان کا اُٹھنا، بیٹھنا، چلنا پھرنا، آنا جانا، الغرض ہر کام اسی تعلیمی اور علمی انداز میں ڈھل گیا تھا ۔ اپنے علم و عمل سے انہوں نے شمع علم کو بہرصورت فروزاں رکھا ۔

صحابہ کرام کی تعلیمی زندگی کی خصوصیات

یوں تو تعلیم بعد کے ادوار میں بھی جاری رہی اور آج تک جاری ہے مگر جو خصوصیات صحابہ کرام کی تعلیمی زندگی کا جزو لاینفک تھیں وہ بعد کے ادوار میں باقی نہ رہیں ۔ جن میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں :-

۱- **پیاسے تک خود پہنچنے کا ذوق و شوق :** عام طور سے علمی دُنیا میں یہ اصول مسلّم رہا ہے کہ کنواں پیاسے کے پاس چل کر نہیں آتا ۔ بلکہ پیاسا کنوئیں کے پاس خود چل کر جاتا ہے ۔ مگر صحابہ کرامؓ نے کبھی اس اصول اور ضابطے کا پاس اور لحاظ نہ کیا بلکہ خود پیاسوں کے پاس چل کر جاتے اور انہیں تعلیمات الٰہیہ سے روشناس کراتے تھے ۔ مثلاً عبداللہ بن عمرؓ کے متعلق زید بن اسلم اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ (یعنی ان کے والد) ابن عمرؓ کے ساتھ عبداللہؓ بن مطیع کے ہاں گئے ۔ عبداللہؓ نے انہیں خوش آمدید کہا اور اُن کے لیے فرش بچھایا ۔ انہوں نے کہا کہ میں تمہارے پاس صرف ایک حدیث سُنانے کی غرض سے آیا ہوں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ جس شخص نے امیر

کی اطاعت سے دستبرداری کی وہ قیامت کے دن ایسی حالت میں آئے گا کہ اس کے پاس کوئی دلیل نہ ہوگی۔ اور جو شخص جماعت سے الگ ہو کر مرا وہ جاہلیت کی موت مرا [1]۔ ایسی ہی ایک روایت ایک اور تابعی علی بن عبدالرحمٰن بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ نماز کے دوران میں کنکریوں سے کھیل رہا تھا۔ نماز ختم کی تو ابن عمرؓ نے ٹوکا اور فرمایا "جس طرح نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم نماز پڑھا کرتے تھے اسی طرح نماز پڑھا کرو"۔ پھر خود ہی طریقہ بتلا دیا [2]۔ ایسے لوگ جو خود طالبان علم کے پاس چل کر جایا کرتے تھے۔ اور کہاں مل سکتے ہیں؟

۲۔ کیفیات و واردات کی تعلیم صحابہ کرامؓ کی علمی کوششوں کی دُوسری اہم خصوصیت یہ تھی کہ انہوں نے صرف الفاظ و روایات ہی کو دوسری نسل تک منتقل نہیں کیا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ واردات وکیفیات کی بھی پوری پوری تعلیم دی۔ روایت سُن کر اپنے اُن کے پاکیزہ قلوب پر جو اوّلین اثر ہُوا تھا ان کی سچی سچی روداد دوسروں تک عملی یا علمی طریقے سے منتقل کر دینا ان ہی کا شیوہ تھا۔

مشہور تابعی اصبحی روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ انہوں نے دیکھا کہ ایک شخص کے آس پاس بھیڑ لگی ہوئی ہے۔ پُوچھا یہ کون صاحب ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ ابوہریرہؓ ہیں۔ چنانچہ وہ ان کے پاس بیٹھ گئے۔ اس وقت ابوہریرہ لوگوں کے سامنے ایک حدیث بیان کر رہے تھے جب وہ حدیث ختم فرما چکے اور مجمع چھٹ گیا تو انہوں نے کہا کہ یا اباہریرہؓ! ہمیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کی کوئی ایسی حدیث سنائیے جسے آپ نے سُنا ہو، سمجھا ہو اور جانا ہو۔ ابوہریرہؓ نے کہا میں تم سے ایسی حدیث بیان کروں گا جو آپؐ نے اس گھر میں بیان فرمائی تھی اور اس وقت میرے اور آپؐ کے سوا کوئی تیسرا شخص نہ تھا۔ اتنا کہہ کر پھر زور سے چلائے اور بے ہوش ہو گئے۔ افاقہ ہُوا تو مُنہ پر ہاتھ پھیر کر کہا میں تم سے ایسی حدیث بیان کروں گا جو آنحضرتؐ نے اس گھر میں بیان فرمائی تھی اور وہاں میرے اور آپؐ کے سوا کوئی نہ تھا۔ یہ کہا اور چیخ مار کر غش کھا کر منہ کے بل گر پڑے۔ اصبحی نے تھام لیا اور دیر تک سنبھالے رہے۔ ہوش آیا تو کہا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا تھا اور پھر پُوری روایت بیان فرمائی [3]۔ جن لوگوں نے اس پس منظر کے ساتھ اس حدیث کو سُنا ہوگا اُن کے دلوں پر کیا بیتی ہوگی؟ ان کی واردات وحسیات ابوہریرہؓ کی کیفیات سے یقیناً مختلف نہ ہونگی۔ گویا

---

[1] احمد بن حنبل، مسند، ج ۲، ص ۱۵۴۔ [2] امام مالک، موطا، باب العمل بالید۔

[3] ابو عیسےٰ الترمذی: الجامع السنن، ابواب الزہد۔

اثر انگیزی میں یہ طریقہ کار بہت زیادہ دقیع ہے۔

۳۔ قال کے ساتھ حال صحابہ کرامؓ کے طریقۂ تعلیم کی یہ بھی خصوصیت رہی ہے کہ انہوں نے علم کے ساتھ عمل، قول کے ساتھ فعل اور قال کے ساتھ حال کے طریقہ کو اپنائے رکھا۔ اگر کوئی روایت یا مسئلہ انہوں نے بیان فرمایا تو سب سے پہلے اس پر خود عمل پیرا ہو کر دکھایا۔ اس طریقہ تعلیم کے نتیجہ کے طور پر صرف رجال علم ہی پیدا نہیں ہوئے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اصحاب عمل بھی پیدا ہوتے تھے۔ ان کا اصول زندگی تھا: "لم تقولون مالا تفعلون[۱]" (تم کیوں کہتے ہو وہ بات جس پر عمل نہیں کرتے) اور انہوں نے جو بات اور روایت بیان کی اسی نقطہ نظر سے کی۔ دوسروں کو جتانے سے پہلے اپنے آپ کو اس پر عمل پیرا کرتے تھے۔ اگر کسی صحابی کا عمل اس کی بیان کردہ کسی روایت کے مخالف ہوتا تو اس کی وہ روایت یا وہ بیان دوسروں کے ہاں قابلِ قبول نہ ہوتا تھا۔

۴۔ تعلیم و تعلّم کے لیے کسی عار کا محسوس نہ کرنا ایک اور اہم خصوصیت اس دور مبارک کی یہ رہی ہے کہ انہوں نے دین کے کسی مسئلہ یا روایت کو حاصل کرنے اور اُس کو آگے پھیلانے میں کسی قسم کی شرم یا عار کا لحاظ نہ کیا۔ اگر کوئی روایت یا مسئلہ انہیں معلوم نہ ہوتا تو صاف کہہ دیتے کہ مجھے یہ مسئلہ معلوم نہیں اور موقع ملتا تو ایسے مسائل یا روایات کے حاصل کرنے کے لیے دور دراز تک کے سفر اختیار کرتے اور مسائل کی تحقیق کر کے اپنی معلومات میں اضافہ کرتے۔

مثلاً حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے متعلق روایت ہے کہ انہیں ایک دفعہ معلوم ہوا کہ عبداللہ بن مطیع کے پاس ایک روایت ہے۔ عبداللہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ ان دنوں شام کے علاقے میں بود و باش رکھتے تھے۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے ایک اونٹ خریدا۔ اور منزلیں طے کرتے ہوئے اُن کے پاس گئے اور انہیں کہا کہ مجھ سے وہ حدیث بیان کیجئے۔ میں نے اس لیے عجلت کی کہ شاید میرا خاتمہ ہو جاتا اور یہ حدیث سُننے سے رہ جاتی۔ اسی طرح ایک دُوسری روایت کو حاصل کرنے کے لیے مسلمہ بن خالد نے امیر مصر سے مصر جا کر بالمشافہ ملاقات کی اور ان سے اس روایت کی اجازت حاصل کی[۲]

---

[۱] ۶۱ [الصّف] آیت ۲۔

[۲] سعید انصاری، سیر انصار: حصّہ اوّل " ذکر جابر بن عبداللہ"۔

۵۔ بلا معاوضہ دینی خدمت صحابہ کرامؓ نے جو بھی کارہائے نمایاں سرانجام دیئے اُن کے پس منظر میں کسی دُنیاوی غرض و غایت کی ادنیٰ سی بھی جھلک نہ ہوتی تھی۔ اُن کا ہر کام اور ہر فعل رضائے الٰہی میں سرشاری کا مظہر تھا۔ دینی تعلیم کی خدمت بھی انہوں نے اسی نقطۂ نظر سے کی۔ ان کا نظریہ علم برائے علم یا ادب برائے ادب کا تھا۔ علم برائے زندگی یا ادب برائے زندگی کے وہ لوگ سرے سے ہی قائل نہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کے ہر عمل میں خلوص اور للّٰہیت کے جذبہ کی فراوانیاں ہوتی تھیں اور جس عمل کے پس منظر میں خلوص کے دھارے بہہ رہے ہوں تو اُس کے اثرات و نتائج کو قلم کی زبان سے بیان نہیں کیا جاسکتا اور اس کے ادراک کے لیے تو وجدان کی ضرورت ہوتی ہے۔

۶۔ اشاعتِ دین کا جذبہ اس کے علاوہ انہیں دین کی اشاعت اور فروغ کا جو جوش اور جذبہ تھا اُسے قلم کی زبان سے ظاہر نہیں کیا جاسکتا۔ اُن کے دلوں اور دماغوں پہ صرف ایک ہی نشہ سوار رہتا تھا کہ دین کی اشاعت زیادہ سے زیادہ کیونکر کی جاسکتی ہے؟ کس طرح دین دُنیا کے کونے کونے میں پہنچ سکتا ہے؟ دُنیا کی جہالت کیونکر دُور کی جاسکتی ہے؟ اور اس کے لیے انہوں نے ہر ممکن قربانیاں دیں۔ حتی الوسع کوششیں کیں۔ جو بہت حد تک کامیاب بھی رہیں۔ اسی کا نتیجہ تو ہے کہ آج ہمیں دین کامل اور مکمل صورت میں میسر ہے۔